ماں باپ کبھی پرانے نہیں ہوتے

تحریر: سہیل احمد لون

عید الفطر حسب روایت ہم ایک دن نہ منا سکے۔لندن میں جمعرات کی درمیانی شب چند علماء حضرات کو چاند نظر آ گیا۔ یوں جمعہ، ہفتہ اور بعض لوگوں نے اتوار کو بھی عید منائی۔عید کا چاند نظر آنے کا اعلان ہونے کے بعد میڈیا پر نشر ہونے والے پروگراموں کا انداز فوری تبدیل ہو گیا۔عید کے دنوں میں مختلف ٹی وی چینلز پر مختلف شخصیات کی عید پر مصروفیات دکھائی گئیں۔ آرمی چیف وزیرستان فوجی جوانوں کے ساتھ بھی دکھائی دیئے اور پشاور آرمی پبلک سکول کے متاثرین اور لواحقین کے ساتھ بھی نظر آئے۔صدر ممنون وی وی آئی پی پروٹوکول کا عذاب نازل کرنے فیصل مسجد میں نماز ادا کرنے آئے۔ایک نجی چینل نے عید پر ایک پیکج نشر کیا جس میں دکھایا گیا کہ اولڈ ہاؤس میں لوگ کیسے عید منا رہے ہیں اور ان کے کیا تاثرات ہیں۔میں جب اٹھارہ برس قبل یورپ آیا تو یہاں اولڈ ہاؤس دیکھ کر اپنے مضبوط فیملی سسٹم پر بہت فخر کرتا تھا۔مگر آج بدقسمتی سے ہم مغربی کلچر سے متاثر ہو کر اتنے ''جدت پسند'' ہو گئے ہیں کہ اپنے بوڑھے ماں باپ کو ''پرانا'' تصور کر کے ان کو ایک نئی جگہ ''اولڈ ہاؤس'' بھیجنا شروع ہو گئے ہیں۔مغربی کلچر میں لوگ کرسمس اور ایسٹر کے موقع پر اپنے بزرگوں سے ملنے چلے جاتے ہیں مگر ہمارے اولڈ ہاؤس میں نئی بات یہ نظر آئی کہ عید کے دن بوڑھی آنکھیں اپنوں کا دیدار کرنے کی آس لگائے بیٹھی ہیں مگر ان سے کوئی عید ملنے نہیں آیا۔مغربی ممالک میں بزرگوں کا اولڈ ہاؤس یا اپنے گھروں اکیلے رہنا معمول کی بات ہے۔انہیں زندگی کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے اپنے بچوں کے رحم و کرم پر گزارا نہیں کرنا پڑتا بلکہ ان کے پاس اتنی دولت ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو تحفے تحائف بھی دیں سکیں۔ ہمارے مضبوط فیملی سسٹم پر یہاں کے بزرگوں کو رشک کرتے میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔مگر کیا معلوم کہ ہم نے مغرب سے اچھی باتیں لینے کی بجائے وہ باتیں اپنانا شروع کر دیں جن پر وہ خود بھی نادم ہیں۔

ہم لوگ رشتوں کی قدر کرتے ہیں اس وجہ سے یہاں کے لوگ ہم سے بہت متاثر تھے۔ ہماری سماجی قدروں میں اُن کو سب سے زیادہ ہمارا مضبوط فیملی سسٹم پسند تھا۔جس میں فیملی کے بزرگ تو درکنار گھر سے باہر, محلے, گلیوں اور بازاروں میں بھی ان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ جہاں ہر کوئی ان کو پیار اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔گھر میں بزرگوں کا وجود باعث برکت سمجھا جاتا ہے۔ یورپی معاشرے کے بہت سے اچھے پہلو ہیں مگر یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اکثر بزرگ اپنی اولاد کی آواز سننے اور اور ان کا چہرہ دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔تنہائی کا ناگ جب ڈستا ہے تو کسی غیر کی صحبت چاہے وہ معاوضہ دے کر ہی کیوں نہ حاصل کرنے پڑے "تریاق" کا کام کرتی ہے۔میں اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت تصور کرتا تھا کہ میں نے اس معاشرے میں جنم لیا جہاں بزرگوں کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا رواج تھا, زندگی کے اہم فیصلوں میں ان کی رائے اور مشورے کو سب سے زیادہ اہمیت اور برکت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔بغیر کسی طمع کے ان کو بوجھ سمجھنے کی بجائے ان کی خدمت کرنا باعث مسرت تصور کیا جاتا تھا۔اپنی نسلوں کو ان کی شفقت سے فیض یاب کرانا بڑی قسمت کی بات مانا جاتا تھا۔مگر جنرل ضیاء الحق نے جہاں ہماری سماجی قدروں کو بدلنے کیلئے ایک مخصوص مذہبی فکر متعارف کروائی وہاں اُس نے ہر

شے کو بکنے والی چیز بنا کر مادیت کے سمندر کے اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک قلیل وقت نے ہمارے صدیوں پرانے مضبوط ڈھانچے کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی تند و تیز بے لگام طوفان نے سب کچھ الٹ پلٹ کار کھ دیا ہے ۔بدقسمتی سے ہم دوسرے معاشروں سے وہ چیزیں اپنا رہے ہیں جو یقیناً نئی تو ہیں لیکن ہمارے معروض میں اُن کیلئے گنجائش نہیں پائی جاتی۔ دوسروں کی بری رسموں اور عادات کو برق رفتاری سے اپنائے جا رہے ہیں اور اپنی اچھائیوں کو جو کبھی ہمارا طرہ امتیاز اور ہمارا خاصا تھیں یوں چھوڑتے جا رہے ہیں جیسے کسی چور کو یک لخت ولائیت مل جائے تو وہ چوری چھوڑ دے۔ اگر تقلید کرنی ہی ہے تو مغربی معاشرے کے بہت سے روشن پہلو بھی ہیں۔ جن کو اپنا کر ہم اپنے معاشرہ مزید سنوار سکتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی شادیوں کے کامیاب ہونے کا راز "برداشت " اور "اطاعت " میں پنہاں تھا۔ جواب جنسِ نایاب ہو چکی ہیں۔ جس کی وجہ سے طلاق کی شرح میں مہنگائی اور بے روزگاری کی طرح اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس ناپسندیدہ حلال فعل میں اکثر قربانی کے بکرے معصوم بچے ہی بنتے ہیں جو عمر بھر ماں باپ کو اکٹھے دیکھنے کی خواہش میں زندگی بسر کر دیتے ہیں۔ طلاق کی یہ روایت بھی مغربی تقلید کا ایک پہلو ہے۔ مغربی معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے حقوق و فرائض میں توازن نہیں ہوتا۔ حقوق کے پلڑے میں عورتوں کی قسمت اور فرائض کے پلڑے میں مردوں کا مقدر سجایا جاتا ہے۔ جو شادیوں کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ بنتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں کبھی شادی کا بندھن مرتے دم تک ہر حال میں نبھانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ہم اگر اپنے بزرگوں کو دیکھیں تو ان کی جوڑی کی رفاقت دیکھ کر واقعتاً یقین ہو جاتا ہے کہ جوڑے کبھی آسمان پر ہی بنتے ہوں گے لیکن مغربی معاشرہ اس حوالے سے بالکل مختلف ہے جہاں ایک جوڑے کے آسمان پر دس دس جوڑے بنے دکھائی دیتے ہیں۔ جب سے ہم مغرب زدہ ہونا شروع ہوئے ہیں درحقیقت آفت زدہ ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

مغرب اور مشرق کی تہذیب میں سب سے بڑا فرق ہی مضبوط فیملی سسٹم کا تھا۔ جو ہمارے ہاں گھر کے سربراہ سے شروع ہو کر گلی محلّہ کے بزرگوں سے ہوتا ہوا علاقے کے بزرگوں کی پنچائیت تک جا پہنچتا تھا اور تمام ثالثی فیصلے خوش اسلوبی سے حل کر لیے جاتے تھے۔ ہمارے معاشرے میں کبھی بزرگوں کو گھر سے نکال کر علیحدہ یا اکیلا رکھنے کا تصور خدا کے حضور گناہ اور سماجی طور پر بدترین بدنامی کی وجہ بن جاتا تھا۔ مگر آج مغربی لعنت "اولڈ ہاؤس" دوسری لاتعداد لعنتوں کی طرح ہمارے معاشرے میں بھی نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کی اکثریت کے پاس تو اتنے وسائل بھی نہیں کہ وہ معاوضہ دے کر کسی کو گھر بلا کر زخم تنہائی پر خریدی ہوئی باتوں کا مرہم ہی رکھ سکیں۔ اپنے بزرگوں سے ناروا سلوک کرنے والوں کو یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہئے کہ وہ بھی آنے والے کل کے بزرگ ہیں، کمزور اور ناتواں۔ وہ یہ کام جن کا روشن مستقبل کیلئے سرانجام دے رہے ہیں وہ بھی سب کچھ کن اکھیوں سے دیکھ رہے ہیں اور آنے والے دنوں میں وہی ان کو تنہائی کی تاریکی میں ڈبوئیں گے جہاں ان کی آہ و بقاء سننے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ بزرگوں کو صرف ''اے ٹی ایم مشین'' ہی نہیں سمجھنا چاہیے کہ جس سے اگر پیسہ آنا بند ہو جائیں تو.....!!! آج ہمارے ملک میں بھی فادر ڈے اور مدر ڈے منایا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے معاشرے میں تو ہر دن اور رات والدین کا ہی ہوتا تھا۔ ہمیں تخلیق کرنے میں خالق کائنات نے ماں باپ کو وسیلہ بنایا ہے۔ ماں تو وہ ہستی ہے جو اپنے بچے کو اس وقت سے پیار کرنا شروع کر دیتی ہے جب اسے پہلی بار بچے کے وجود کا احساس اپنے وجود میں محسوس ہوتا ہے۔ بچے کے دل کی دھڑکن

سب سے پہلے ماں ہی محسوس کرتی ہے۔ پیدائش کے مراحل کی ساری تکالیف اپنے بچے کا پہلا دیدار کر کے بھول جاتی ہے۔ دنیا میں آنے سے پہلے اور کئی ماہ بعد تک بچہ اپنی ماں کے جسم سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ باپ اپنا پیٹ کاٹ کر اپنی خواہشوں کا گلہ گھونٹ کر شب و روز محنت کر کے بچے کے ناز نخرے اٹھتا ہے۔ جب یہی ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو ان کی جگہ "اولڈ ہاؤس" نہیں بلکہ دلوں میں ہونی چاہیے۔ بزرگ اس شجر کی مانند ہوتے ہیں جو خود دھوپ کی گرمی برداشت کرتا ہے مگر دوسروں کو ٹھنڈا سایہ اور میٹھا پھل دیتا ہے۔ جس طرح ایک پتا شاخ سے گر کر اپنی جڑوں کی طرف آتا ہے اسی طرح ہم نے بھی اپنے اصل کو لوٹنا ہے۔ کئی دولتمند گھر میں جدت لانے کی غرض سے اپنے بزرگوں کو بھی پرانی چیز سمجھ کر گھر سے نکال دیتے ہیں۔ کچھ افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان کو اضافی بوجھ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہر دو صورتوں میں یہ انتہائی شرمناک اور قابلِ نفرت فعل ہے مگر افسوس کہ ہم ریاکاری کے ابلیس یا بھوک کے خوف سے اس گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ جس کی تلافی ممکن نہیں۔ اس کا احساس تب ہوتا ہے جب وہ کبھی نہ ملنے کے لیے بچھڑ جائیں۔ اس وقت اپنی ہی لگائی ہوئی کسک کی آگ میں جلنا مقدر ہو گا۔ ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ ہمارے حصے میں اچھے لوگوں کی آخری نسل کی خدمت کرنے کا عظیم فریضہ آیا ہے کیونکہ اس کے بعد کی نسل ہم ہیں اور ہم اتنے تو ضرور جانتے ہیں کہ ہم کتنے اچھے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ اولڈ ہاؤس مغرب میں پرانے ماں باپ کیلئے ہوتے ہیں لیکن اپنے مذہب، کلچر، مٹی اور اخلاقیات میں واحد یہی تو ایک شے ہر جوہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ زیادہ قابلِ احترام اور قابلِ عزت ہو جاتے ہیں۔ بھلا ماں باپ بھی کبھی پرانے ہوتے ہیں؟

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

21/07/2015